© rasailojaraid.com

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

چودہ سَو سال پیچھے جانا پڑے گا!

”دنیا بہت آگے جا چکی ہے، ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔“

”مولوی ہمیں چودہ سو سال پیچھے لے جانا چاہتے ہیں۔“

”اب چودہ سو سال پہلے کی باتیں نہیں چل سکتیں۔“

”چودہ سو سال پیچھے نہیں، آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔“

یہ اور اس سے ملتے جلتے فقرے ہر اس شخص کی نوکِ زبان پر رہتے ہیں جو بزعمِ خویش ماڈرن، لبرل، روشن خیال، ترقی پسند اور جدیدیت کا حامی ہے۔ تحریر ہو تقریر، دونوں میں ان جملوں کا اظہار اب فیشن بن چکا ہے۔

ہمارے خیال میں ماڈرن آدمی وہ ہوتا ہے جو ماضی کے گرد میں سے مستقبل کے قافلوں کا سراغ لگا سکے اور قدیم علوم میں سے جدید نتائج اخذ کر سکے۔ لیکن ہمارے ہاں ماڈرن زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر سے ڈرامے کا سماں پیدا کرنے والے ہیں۔ لبرل وہ ہوتا ہے جو اپنی سوچ کو قدیم و جدید کی تفریق و تقسیم سے بچائے رکھے، لیکن ہمارے ہاں لبرل متبذل فیشن کے رسیا ہیں۔ روشن خیال کا مفہوم از خود واضح ہے، لیکن ہمارے ہاں اکثر روشن خیال محض ”روغن خیال“ ہیں جو دوسرے کی چپڑی دیکھ کر اپنی روکھی سوکھی پھینک دیتے ہیں۔ ترقی پسند کا مطلب ذہنی، فکری، علمی، سائنسی ادبی، اخلاقی، ہمہ نوعی ترقی کا حامل اور حامی ہونا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بہت بڑی تعداد ”اینٹی ترقی پسند“ والوں کی ہے۔ جدیدیت کا حامی وہ ہوتا ہے جو روحِ عصر سے خود کو ہم آہنگ رکھ سکے، لیکن ہمارے ہاں جدیدیت کے علمبردار وہ ہیں جو روحِ عصر کو قابو میں رکھنے کے بجائے خود بیگمات کے قابوس میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر سرسید ماڈرن بننے کی بات کریں تو مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اگر اقبالؒ لبرل ہونے کی تلقین کریں تو کوئی تعجب خیز امر نہیں، اگر شبلیؒ روشن خیال ہونے کا مشورہ دیں، تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ اگر بانئ پاکستان ترقی پسندی کا ذکر کریں تو کون نہیں مانے گا؟ اگر سید سلیمان ندویؒ جدیدیت کی حمایت کریں تو کسی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بری نہیں لگنے لگی اس لیے کہ ان کی سوچ کا حدود اربعہ، ان کے عمل کا میدان، ان کی وابستگی کا مرکز، ان کی تحریر و تقریر کا موضوع، ان کی کاوش و کوشش کا محور، ان کی جہد و سعی کا ہدف، اور ان کے قول و فعل کا معیار بالکل واضح اور روشن ہے۔ اور ان کی زندگیوں کا روز و شب پتہ دیتا ہے کہ یہ کسی فیشن، کسی اندھے شوق اور کسی کورانہ تقلید کے مریض نہیں تھے۔ یہ ہر بات تول کر بولتے اور بول کر تولتے تھے کہ اس حرف میں معنیٰ کس وزن کا ہے؟ وہ خود اپنے کو ضمیر، اپنی سوسائٹی اور اپنے رب کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے اور ہر ایک کا کام خود ان کا مقام متعین کر رہا ہے۔ مگر جو لوگ "جیسی نیوا یہ" کے نغموں سے زیادہ کوئی علم، اور محفلوں میں ڈانس کے علاوہ کوئی فن، اور اپنی اولاد پر کنٹرول تک نہ رکھتے ہوں، وہ چاہتے ہیں کہ اکیسویں صدی کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہو تو سچی بات ہے کہ کوشش کے باوجود اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ اور ہمارے خیال میں تو خود انھیں بھی سمجھ نہیں آتا، صرف فیشن کے طور پر یہ جملے ادا کر دیئے جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں کے "روغن خیال" لوگ دو چار کو چھوڑ کر (اور دو چار کا استثناء تو ہر دور میں اور ہمیشہ ہوتا ہے) سب کے سب یا تو ان کی اولاد ہیں جن کے بزرگ زندگی بھر انگریزوں کے گھوڑوں کے سم جھاڑتے رہے، یا ان کے دست و بازو بن کر اپنے ہم وطنوں کے دست و بازو توڑتے رہے ہیں، اور انگریزوں ہی کی سکالرشپ پر ان کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے رہے۔ یا پھر وہ لوگ ہیں جو کبھی ملک غلام محمد کو مسیحا منوانے پر اپنا پورا زور صرف کرتے رہے، ایوب خان کے بی ڈی سسٹم کا کل پرزہ بنے رہے، یحییٰ خان کو "محافظِ پاکستان" کا لقب عطا کرتے رہے، پشتینی جاگیردار اور خوش فکرے سیاستدان ذوالفقار علی بھٹو کو "ڈیگال پاکستان" قرار دیتے رہے، ضیاء الحق کی شوریٰ میں داخلے کے لیے سفارشیں ڈھونڈتے رہے، بے نظیر بھٹو کو "دخترِ مشرق" کے نام سے یاد کرتے رہے! — یا وش بخیر! کچھ وہ ہیں جو روسی کمیونزم کو انسانیت کا نجات دہندہ کہتے رہے اور اب امریکہ کے قرب کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو مولانا حسرت موہانیؒ جیسی مجاہدانہ اور فقیرانہ بود و باش رکھتا ہو، محمد علی جوہر" جیسا تقویٰ اور فہم اسے نصیب ہو، اقبال" جیسی فکری بلندی اور نظریاتی پختگی کا حامل ہو اور بانیٔ پاکستان جیسے اعلیٰ کردار کا امین اور وارث ہو۔

ہمیں تسلیم ہے کہ ماضی کی حسین یادوں میں ہمیشہ کھوئے رہنا کوئی صحت مند علامت نہیں لیکن مستقبل کے سراب کے لیے اپنے پاس موجود چلو بھر پانی کو پھینک دینا بھی دانشمندی نہیں۔

چودہ سو سال پہلے کا واضح مطلب عہدِ رسالت اور دورِ خلافت ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے خلفاء نے آخر ہماری نسل کا کیا بگاڑا ہے کہ یہ لوگ اتنے آزردہ اور رنجیدہ ہیں؟ اگر ہم لوگوں میں انسانیت کی رمق اور فلاحِ انسانیت کی ادنیٰ سی خواہش ہے تو ہم سب کو سچے دل سے چودہ سو سال پیچھے کی طرف پلٹنا ہوگا۔ نئے دور کے فانوسوں نے اندھیرا بڑھا دیا ہے، پرانے عہد کے ٹمٹماتے چراغ اب بھی نشانِ منزل دکھانے کی سکت رکھتے ہیں!

گزشتہ چودہ صدیوں کو کوسنے والوں سے ہماری دردمندانہ درخواست ہے کہ ہم ان کے اس جملے کو پورا وزن دیتے اور پوری سنجیدگی سے لیتے ہیں، لیکن پہلے وہ ہمیں بھی پوری سنجیدگی اور متانت سے بتائیں کہ اس وقت عالمِ انسانی کو کیا چیز مطلوب ہے؟ ہم ان کی سہولت کے لیے خود فہرست مرتب کر کے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ مریخ اور زہرہ کی تسخیر، یا اپنے نفسِ امارہ اور بے لگام خواہشات کی تسخیر؟
۲۔ ایٹم بم کی ایجاد، یا امن اور سکون؟
۳۔ آرائشِ بدن، یا زیبائشِ اخلاق؟
۴۔ کمیونزم کی نام نہاد مساوات، یا اسلام کی عملی مواخات؟
۵۔ جمہوریت کے نام پر دیوِ استبداد کا رقص، یا خلافتِ راشدہ کی حقیقی روح؟
۶۔ یونی پولر پاور کا تصور، یا پاپولر سسٹم آف گورنمنٹ؟
۷۔ امریکہ کی سپرمیسی، یا حاکمیتِ الٰہی؟
۸۔ سود کی عملداری، یا ارتکازِ زر پر ضربِ کاری؟
۹۔ حکومت برائے حاکمیت، یا حکومت برائے خدمت؟
۱۰۔ زر پرستی، یا خدا پرستی؟
۱۱۔ ریاء، جبر، مکر، دھونس، دھاندلی، یا اخلاص، عدل، سادگی، انکسار اور عاجزی؟
۱۲۔ دولت کی نمائش، یا فقر کی خواہش؟
۱۳۔ ہوس، حرص، حسد اور انتقام، یا قناعت، امانت، عفو اور رحم؟
۱۴۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے اونچی اڑانیں یا اخلاق کی بلندی؟
۱۵۔ چمکتی گاڑیوں کی فراہمی، یا افرادِ معاشرہ کا انسِ باہمی؟
۱۶۔ پاپ میوزک کے نغمے، یا باہمی محبت اور اخوت کے زمزمے؟
۱۷۔ ہوٹلوں کی گہما گہمی، یا دلوں میں اچھے جذبات کی گرمی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸- معنیٰ و مفہوم سے عاری الفاظ کا طومار، یا قابلِ اعتماد اور پختہ کردار؟

۱۹- فنکاری، یا حقیقت نگاری؟

۲۰- فلک بوس بنگلوں کی اونچی فصیلیں، یا مہر و مروت اور آدابِ ہمسائیگی کی روشن قندیلیں؟

۲۱- حقوق چھیننے کی خواہش، یا ادائیگی فرض کی روش؟

۲۲- رنگا رنگ ملبوسات اور نو بنو زیورات، یا سادگی اور متانت کی سوغات؟

۲۳- حصولِ جاہ اور طلبِ زر کا رویہ، یا ترکِ خواہش و ایثار کا ورثہ؟

۲۴- بابر بہ عیش کوش کا رواج، یا خوفِ الٰہی اور حسابِ آخرت کا مزاج؟

۲۵- "میم" اور "صاحب" بننے اور کہلانے کا شوق، یا بندگیٔ رب اور عشقِ رسولؐ کا ذوق؟

یہ ترجیحات کی ایک مختصر سی فہرست ہے، پہلے یہ طے ہونا چاہیے کہ کروڑوں اربوں انسانوں کے لیے کون سی چیز لازمی اور مفید ہے؟ نیز ان میں سے کون سی چیز عہدِ حاضر میں دستیاب ہے اور کون سی چودہ سو سال پہلے مہیا تھی؟

لاریب آج کے دور نے ہمیں بجلی مہیا کی جس سے جنگل میں منگل کا سماں بندھ گیا، لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ روشنیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ نہ اپنے بیگانے کی تمیز رہ گئی ہے اور نہ جائز و ناجائز میں امتیاز اور حق و باطل میں فرق! ایسی روشنی کا کیا فائدہ جس سے دل، ضمیر اور احساس کی روشنی خالی رہے؟

پاپ میوزک اس دور کی ایجاد ہے، مگر اس کے بے ہنگم شور میں بے نواؤں کی چیخیں دب کر رہ گئی ہیں۔

مریخ اور چاند تک ہماری کمندیں پہنچ گئیں، لیکن ہم اپنا آپ منضبط نہ کر سکے۔ فائیو سٹار ہوٹل کھل گئے، مگر غریبوں کی قسمت پر پڑے قفل ابھی تک نہیں کھل سکے۔ زر اور جاہ کے حصول کی دوڑ اپنی انتہا کو پہنچ گئی، لیکن شرفِ انسانیت اپنی قدر کو گنوا بیٹھا۔ ہماری خواتین "میم" اور ہمارے مرد "صاحب" تو بن گئے، مگر کوئی ان میں سے فاطمہؓ و زینبؓ اور خالدؓ و طارقؒ کا جانشین نہ بن پایا۔ جمہوریت کا چرچا تو عام ہو گیا، لیکن انسانوں کی رائے نیلام ہو گئی۔ ہمارے بدن اجلے ہو گئے، لیکن اخلاق گندے ہی رہ گئے۔ فلک بوس بنگلے کھڑے ہو گئے، مگر انسان اپنے پاؤں پہ کھڑا نہ ہو سکا۔ فنکاروں کی کھیپ تو وجود میں آ گئی، مگر حقیقت بیچاری کو دیس نکالا مل گیا۔ لفظوں کی بازی گری تو ہم سیکھ گئے، مگر انہیں شرمندہ معنیٰ نہ کر سکے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تواضع، اطاعت، اخلاص، دوستی کا، غریب پروری کا، باہمی انس اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت کا، حق رسی کا، عدل کی فراہمی کا، جوہرِ انسانی کے جلاء کا، عزتِ نفس کے تحفظ کا، معاشی خوشحالی کا، ہر فردِ بشر کی آزادی کا اور اعلیٰ قدروں کے فروغ کا، تو بسر و چشم! ہر ذی ہوش انسان اس عہد کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ دورِ خلافت بھی اپنے دامن میں انسانیت کو پناہ نہیں دے سکا، حسنِ توازن اور عدل کے رو یئے عطا نہیں کر سکا اور حضرتِ انسان اس عہد میں گوہرِ مراد پا نہیں سکا، تو معاف رکھیے، چند خوش فکرے لوگوں اور مادر پدر آزاد افراد کی خاطر ہم اپنا پرشکوہ اور حسین ماضی قربان نہیں کر سکتے۔

آج کے دور کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک بڑے مکان کی مانند اس کا ڈرائنگ روم تو تاباں اور فروزاں ہے، مگر دوسرے کمرے گھپ اندھیرے کی نذر! جب کہ چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ یعنی عہدِ رسالت و خلافت یکساں تھا۔ اگر دودھ کی نہریں نہیں بہتی تھیں تو پانی سب کو میسر تھا، فر کے کوٹ اور مخمل کی چادریں نہیں تھیں، تو بدن ہر ایک کا ڈھکا ہوا اور رات کی میٹھی نیند سب کو نصیب تھی۔

ہم مانتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے آکسفورڈ، کیمبرج اور کیلیفورنیا کی یونیورسٹیاں نہ تھیں، کنہ بھری ڈگریاں کسی کو نہیں ملتی تھیں، پرشکوہ عہدے نہیں تھے، جلالت آمیز نام نہیں تھے، کئی منزلہ لائبریریاں نہیں تھیں، پی ایچ ڈی کے مقالے نہیں لکھے جاتے تھے، سپیشلائزیشن نہیں ہوتی تھی، آرٹ کا اتنا ذوق نہیں تھا، کیڈلک کاریں اور فالکن طیارے نہیں تھے، نوادرات کا شوق نہیں تھا، ریڈ کارپٹ استعمال کرنے کا تصور نہیں تھا، راتیں آج کی طرح رنگین اور روشن نہیں تھیں، پلازے اور ایوان اس شان کے نہیں تھے، اسمبلیوں کے اجلاس اس اہتمام سے نہیں ہوتے تھے، الیکٹرانک میڈیا سے وہ دور محروم تھا، ابلاغیات کا یہ ارتقاء نہیں تھا، ایجادات کا یہ عالم نہ تھا، تحقیق کا یہ معیار نہیں تھا، پریس اینڈ پبلیکیشنز کا دور دورہ نہ تھا، اور لاسلکی کا نظام وجود میں نہیں آیا تھا، لیکن بایں ہمہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ابوبکر صدیق رضؓ جیسے لوگ تھے، جن کی صداقت اور راست بازی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ عمر فاروق رضؓ جیسے انسان تھے، جن کی میزانِ عدل کو بیٹے کی محبت بھی اپنے حق میں نہیں جھکا سکتی تھی۔ عثمانِ غنی رضؓ جیسے افراد تھے جو منصب و عہدہ سے کچھ لینا نہیں، بلکہ اپنی جیب سے بہت کچھ دینا جانتے تھے۔ علی المرتضیٰ رضؓ جیسے سپوت تھے، جو قاتل کو دودھ کا پیالہ پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ بلال رضؓ اور صہیب رضؓ تھے، جو غلامی میں بھی شوکت شاہانہ رکھتے تھے۔ حسن رضؓ اور حسین رضؓ تھے جو امن کی خاطر اقتدار اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں کی خاطر جان قربان کرنا جانتے تھے۔

اس زمانے میں پتھر کے ٹکڑوں، پارچوں اور پتوں پر قرآنِ مجید لکھا ہوتا تھا، لیکن لوگ ایک ایک حرف کی لاج رکھنے والے تھے۔ قرأت کا فن وہ نہیں جانتے تھے، مگر قرآن پڑھتے تو پتھر دل پگھل جاتے۔ پارلیمنٹ کے اجلاس تو نہیں ہوتے تھے، مگر چوپال میں بیٹھ کر کوئی غلط بیانی نہیں کرتا تھا۔

آج امریکہ کے صدر سے لے کر ادنیٰ شخص تک کوئی ایسا نہیں، جو بات کرے تو اس کا وہی مفہوم ہو جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ بچے تک اپنی معصومیت کھو چکے ہیں۔ اس دور کے کچے گھروندے پناہ گاہ تھے، مگر آج ماربل کے محل اپنے مکینوں کو تحفظ دینے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ آج وائرلیس اور ٹیلیفون کے ذریعے لاکھوں میل تک بات پہنچ جاتی ہے، لیکن ایک دل کی بات دوسرے دل تک نہیں پہنچ پا رہی۔ رنگین تصویروں، رنگین فلموں اور رنگین نظاروں کی بھرمار ہوئی ہے، مگر زندگی کا ورق کورے کا کورا رہ گیا ہے۔ کہیں اس پہ وفا، مروت، ایثار اور محبت کا نقش نظر نہیں آتا۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بش اور کلنٹن کی ترجیحات اور ایک عام آدمی کی ترجیحات میں فرق ہے۔ ہر کوئی اپنے حساب سے دیکھتا ہے۔ عام آدمی اقتدار، ایوان، قیادت اور ناموری کے خواب نہیں دیکھتا، وہ امن، سکون اور رواداری کے خواب دیکھتا ہے۔ اسے سائنسی انکشافات کے مقابلے میں رازِ حیات کھولنے میں زیادہ دلچسپی ہے۔ وہ رازِ حیات جو اسے دو وقت کی باعزت روٹی، رات کی گہری نیند، گلیوں بازاروں میں گرمجوشی، ہمسایوں میں محبت اور ہر ایک میں ایک خاص اپنائیت دے سکے۔ بھرے ہجوم میں تنہا کر دینے کا کارنامہ اس دور نے سرانجام دیا ہے، ورنہ انسان ایک دوسرے سے اتنا بیگانہ نہیں تھا۔ ٹیکسٹائل ملوں کی بہتات کے باوجود تن ڈھانپنے کو چیتھڑوں کے حصول کی کشمکش آج کے دور کا تحفہ ہے، خورد و نوش کی ہزاروں اقسام کے ہوتے ہوئے کوڑے کے ڈھیر سے رزق کی تلاش آج کے دور کی دین ہے!

کئی منزلہ فلیٹ اور ایکڑوں کی کوٹھیاں اس دھرتی کے سینے پر ایستادہ ہیں، مگر فٹ پاتھوں پر زندگی گزارنے کی سوغات آج کے دور نے دی ہے۔ کس کس احساس کو آدمی لفظوں کا روپ دے؟

چودہ سو سال پہلے کا نبوی معاشرہ ان اصولوں پر قائم تھا:

۱۔ کوئی کسی کا غلام نہیں، سبھی اللہ کے بندے ہیں۔

۲۔ کسی انسان کو کسی پر فوقیت نہیں، سبھی اولادِ آدم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ کوئی پیدائشی طور پر سونے اور مٹی کا نہیں، سب کا باوا آدم ایک ہے اور وہ مٹی سے بنایا گیا۔

۴۔ مخلوق رب کا کنبہ ہے، کوئی کسی کے رزق پر قدغن نہیں عائد کر سکتا۔

۵۔ الٰہی قانون سب کے لیے ہے، حتیٰ کہ نبیٔ وقت بھی اس کا پابند اور مکلف ہے۔

۶۔ ہر نوع کا تعصب اور امتیاز "نخوتِ جاہلیہ" قرار پایا۔

۷۔ ہر ایک خود اپنا محتسب ہے۔

۸۔ ہر شخص آخرت میں جوابدہی کا مکلّف ہے۔

۹۔ زندگی امانتِ الٰہی ہے، اس میں خیانت سب سے بڑا جرم ہے۔

۱۰۔ دنیوی عزت کے مقابلہ میں اُخروی عزّت زیادہ وقیع اور قابلِ لحاظ ہے۔

جب کہ آج کا معاشرہ عملاً ان اصولوں پر برپا ہے:

۱۔ ہر شخص اپنی جگہ پر فرعون ہے اور دوسروں کو غلام بنانے کی فکر میں ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے مال اور دولت کی فوقیت ثابت کرنے میں تمام حدود پامال کر رہا ہے۔

۳۔ امریکی اور انگریز خود کو کسی طور پر مٹی کا بنا ہوا ماننے پر تیار نہیں۔

۴۔ آئین کچھ عہدیداروں کو ہر قانون اور گرفت سے مبرا قرار دیتا ہے۔

۵۔ اقتصادی امداد کی بندش عیال اللہ کے تصور کی صریحاً نفی ہے۔

۶۔ رنگ، نسل، قومیت اور صوبائیت کے تعصّبات آج کا فیشن ہیں۔

۷۔ کوئی کسی کے سامنے جواب دہ نہیں رہا، ہر فرد بشر خود مختاری کے چکر میں ہے۔

۸۔ آخرت کا لفظ "دقیانوسی" قرار پایا ہے۔

۹۔ زندگی "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا منظر پیش کر رہی ہے۔

۱۰۔ دنیوی عزت ہی حرفِ آخر ہے۔ آخرت کے وعدے پر کوئی اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ کوئی الجھن پیش آئے تو اپنے دل سے پوچھو، اس کا جواب کبھی غلط نہیں ہوگا۔ آج بھی ہر شخص خواہ مخواہ فلسفے نہ بگھارے، بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ اس کا اصل مرض کیا ہے اور اس کا صحیح علاج کیا ہے؟ اسے کس چیز کی تلاش ہے؟ وہ کس دور کی جستجو میں ہے؟ اس کا حقیقی مقصود کیا ہے؟ وہ کس بات کی کمی محسوس کرتا ہے؟ "روغن خیال" دانشور تو کہتے ہیں کہ ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیلا جا رہا ہے، لیکن ہم اسے اپنی خوش بختی سمجھیں گے اگر کوئی ہمیں چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ کہیں سے ڈھونڈ کر لا دے۔ ہم باز آئے میڈیا کی ترقی سے۔ ہماری توبہ لاسلکی کے نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ۔ ہم ان ساری ایجادات سے محروم بھلے ، ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں ۔ تہذیب حاضر ہم سے اپنی بجلی واپس لے لے ، گراموفون چھین لے ، ہوائی جہاز ضبط کر لے ، ایٹمی صلاحیت اپنے پاس رکھے ، مواصلات کا نظام معطل کر دے ــــ ہمیں یہ سب منظور ہے ، ہمیں کسی طرح ہمارا کھویا ہوا سکون واپس مل جائے ، بھائی چارہ دستیاب ہو جائے ، اپنے پرائے کی پہچان نصیب ہو جائے ، خوفِ الٰہی اور آخرت کا ڈر عطا ہو جائے ، قناعت کی دولت اور سادگی کی لذت کہیں سے ہاتھ آجائے ــــ اور اس کے لیے ظاہر ہے ، چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا !

"حرمین" کے ایک محترم قاری نے ایک مثبت تجویز ارسال فرمائی ہے کہ "حرمین" کی جلد نمبر ۳ کو شمارہ ۴ (مطابق دسمبر ۱۹۹۳ء) پر ختم کر کے نئے سال ۱۹۹۴ء کے پہلے ماہ سے جلد ۴ کا آغاز کر دیا جائے ، تاکہ مہینوں کی گنتی سے شمارہ نمبر کی موافقت سے آسانی رہے ۔

لہٰذا

زیرِ نظر جنوری ۱۹۹۴ء کا شمارہ جلد (۴) کا شمارہ (۱) ہے ــــ قارئینِ کرام نوٹ فرمالیں ۔ والسلام ! (مینجر)

© rasailojaraid.com